سرسید احمد خاں

جاوید اختر

کمہرولی، کمتول، دربھنگہ (بہار)

سرسید احمد خاں (۱۸۱۷ء۔ ۱۸۹۸ء) ایک کثیر جہتی شخص تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی میں سیاسی، تعلیمی، ادبی، تحقیقی اور مذہبی غرض ہر قسم کے علمی اور قومی مشاغل میں حصہ لیا۔ انھوں نے نہ صرف علمی میدان میں اپنے گہرے نقوش چھوڑے بلکہ ہر جگہ ان کے دیرپا اثرات مرتب ہوئے۔

جہاں تک اردو زبان و ادب کا سوال ہے تو وہ اردو کے اولین معماروں میں تھے۔ تعلیمی معاملات میں ان کے خاص نظریات نے علی گڑھ تحریک کی صورت اختیار کی اور دینیات میں بھی انھوں نے فکر وتصور کے نئے راستے دریافت کئے۔ غرض علم وعمل کے تقریباً ہر شعبے میں ان کی عظیم شخصیت پوری نسل پر اثر انداز ہوئی۔

سرسید کے کارناموں کی فہرست لمبی ہے۔ اردو زبان وادب سے ان کی دلچسپی سب سے زیادہ رہی ہے۔ انھوں نے نہ صرف اردو زبان کی حفاظت کی بلکہ اسے غیر معمولی ترقی دے کر اردو ادب کی نشو ونما وارتقا میں نمایاں حصہ لیا۔ انھوں نے اردو نثر کو اجتماعی مقاصد سے روشناس کرایا اور اسے عام فہم، آسان اور سلیس بنا کر عام اجتماعی زندگی کا ترجمان بنایا۔ ان سے پہلے نثر میں عام طور پر مضمون ومعنی کو ثانوی اور طرز بیان کو اولین اہمیت دی جاتی تھی مگر انھوں نے مضمون کو اولیت عطا کی۔ تکلف اور تصنع، بوجھل الفاظ اور عبارت آرائی کے خلاف اپنے قلم کے جوہر دکھائے۔

سرسید احمد خاں کی تصانیف کو تاریخی ترتیب کی روشنی میں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت اثر پذیر شخص تھے۔ وہ جس ماحول میں رہے اس کا اثر قبول کیا۔ ان کے رجحانات اور مذاق تصنیف کی تبدیلیاں یہ بھی ثابت کرتی ہیں کہ ان میں جلد جلد بدل جانے کی بے حد صلاحیت تھی۔ ان کی تصانیف مضامین اور اسلوب بیان دونوں ارتقا اور تغیر کا عجیب وغریب نقشہ پیش کرتی ہیں۔ ان کی زندگی کا ابتدائی دور خاندانی روایات میں ڈوبا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد جب انھوں نے ملازمت شروع کی تو پرانی ڈگر سے ہٹ کر وہ مستقرین یوروپ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرنے لگے لیکن پہلی جنگ آزادی جسے غدر کا نام دیا گیا کے بعد ان کا ذہن زندگی کے جدید تر اور عجیب تر مسائل سے دوچار ہو گیا۔ ان کی زندگی میں مغربی خیالات ورجحانات کو فروغ اس وقت ملا جب وہ انگلستان کے سفر پر گئے۔ انگلستان کے سفر کے بعد جو رنگ ان پر چڑھا وہ اخیر وقت تک ان کے ساتھ رہا اور یہی رنگ انہیں اس صدی کے دوسرے ارباب فکر کے مقابلہ میں خاص امتیاز بخشتا ہے۔ ایک ایسا امتیاز جو زندگی کے نئے رنگ یعنی جدید نظریۂ حیات کے پہلے بڑے نمائندہ وشارح تھے۔ دوسرے بہت سے لوگوں نے نہ صرف ان سے اثر قبول کیا بلکہ ان کی پیروی بھی کی۔

۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی سے پہلے ان کے اندر دو رجحانات نظر آتے ہیں۔ پہلا یہ کہ وہ پرانے رنگ میں ڈوبے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور دوسرا یہ کہ انگریزوں سے

میل جول کی بنا پر ان کے اندر مغربی طرز زندگی اور جدید خیالات کا کچھ نہ کچھ اثر دکھائی دیتا ہے۔ ریاضی، تاریخ اور تصوف کے علاوہ ان کی تصنیفی زندگی کے دور اول میں ان کی تحریروں میں مناظرہ وتقابل مذاہب کا رجحان غالب ہے۔ اس دور میں ان کا نقطۂ نظر علمی اور دینی تھا۔ اس کے علاوہ اس دور میں وہ آثار قدیمہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس دور کی خاص خاص تصانیف ''جام جم'' (فارسی) ۱۸۳۹ء، ''انتخاب الاخوین''، ''جلاء القلوب بذکر المحبوب''، ''تحفۂ حسن''، ''آثار الصنادید''، ''فوائد الافکار''، ''کلمۃ الحق''، ''راہ سنت ورد بدعت''، ''ضیقہ''، ''کیمیائے سعادت'' اور آئین اکبری کی تصحیح'' وغیرہ ہیں۔

پہلی جنگ آزادی کے بعد ان کا تبادلہ بجنور سے مرادآباد ہوگیا۔ اس دور میں وہ مسلمانوں کو غدر میں شرکت کے الزام سے بچانے کی کوشش میں لگ گئے۔ اس الزام سے بچانے کے لئے انھوں نے کئی کتابیں لکھیں جن میں ''تاریخ سرکشی بجنور''، ''اسباب بغاوت ہند'' اور ''رسالہ لائل محمڈنز آف انڈیا'' وغیرہ اہم ہیں۔ اس دور میں انھوں نے ''تاریخ فیروز شاہی''، ''تبیین الکلام''، ''سائنٹفک سوسائٹی اخبار'' (جو بعد میں ''علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ'' ہوگیا) اور ''رسالہ احکام طعام اہل کتاب'' وغیرہ بھی لکھیں۔

تیسرے دور میں ان کے مصلحانہ خیالات میں بڑی شدت پیدا ہوگئی تھی۔ اب وہ اپنے اظہار خیال میں نڈر اور بے خوف ہوگئے تھے۔ ان کے ذہن پر جدید انداز فکر نے غلبہ پالیا تھا۔ انگریزوں کی صحبت ورفاقت نے جو رنگ ان پر چڑھایا تھا وہ تیز تر اور شوخ ہوگیا تھا۔ ان رجحانات کو ان کی ان دور کی تصانیف میں بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔ اس دور کی اہم تصانیف اس طرح ہیں۔ ''سفرنامہ لندن''، ''خطبات احمدیہ''، ''تہذیب الاخلاق'' ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب پر ریویو' وغیرہ۔

اس طرح سرسید کے فکر وعمل کے دو ہی اہم میدان تھے ایک مذہب دوسرا سیاست، لیکن ان کی ادبی حیثیت بھی ہر لحاظ سے مسلم ہے۔

ان کے نزدیک علم و ادب صرف تفریحی مشغلہ نہ تھا بلکہ ان کے لیے یہ چند مخصوص خیالات وعقائد کے اظہار کا وسیلہ تھا۔ وہ ادب کو مقاصد زندگی کا آلۂ کار سمجھتے تھے۔

سرسید احمد کا محبوب مشغلہ تصنیف وتالیف اور مطالعہ تھا پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ شعر وادب کی ترقی کے لیے کوشش نہ کرتے۔ اردو نثر ونظم کی خامیوں سے وہ پوری طرح واقف تھے۔ اردو زبان وادب کے فروغ کے لیے انھوں نے اہل قلم کو بہت سے مفید مشورے بھی دیے۔ نورالحسن نقوی لکھتے ہیں:

> ''وہ ادب کی معصومیت وافادیت کے علمبردار تھے۔ وہ قصے کہانیاں جو محض وقت گزاری کا ذریعہ ہوں اور وہ شاعری جس کا مقصد صرف لطف اندوزی ہو ان کے لیے قابل تفریح تھے۔ وہ سلا دینے والے نہیں، بیدار کرنے والے شعروادب کے قائل تھے۔''

(سرسید اور ان کے کارنامے، نورالحسن نقوی، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۱۵ء، ص:۷۶)

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ سرسید احمد خاں کے کارناموں میں ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ ان کا ادبی سرمایہ خالص ادبی معیار سے قابل ذکر ادب میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ ان کی انشا پردازی، طرز بیان، ان کی نثر اور ان کی مقالہ نگاری، غرض ان کا کل سرمایۂ تحریر اردو زبان وادب کا قیمتی سرمایہ ہے۔

OO